



سلسلہ مسابقہ قلم کاری

# اہل سنت کے اسباب زوال اور اتحاد کا دستور العمل

نامہ فرمائی

علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی  
(امیر: تحریک نظام مصطفیٰ، بہاول پور)

دیباچہ نگاری

محمد رضا الحسن قادری

دار الاسلام

جامع مسجد و محلہ مولانا رومی، اندرون بھائی گیٹ، لاہور (54000)، پنجاب - پاکستان

0321-9425765      darulislam21@yahoo.com

www.facebook.com/darulislam دار الاسلام

قیمت: 20 روپے NET

اشاعت: رجب ۱۴۳۶ھ / مئی ۲۰۱۵ء



## پیش از کتاب....

دارالاسلام کی فکری تحریکات میں ایک اہم ترین سلسلہ **مسابقہ قلم کاری** ہے، جس کا پہلا کل پاکستان بین المدارس والجامعات مقابلہ مضمون نویسی جون ۲۰۱۳ء میں تحریک دعوت حق لاہور کے زیر اہتمام فضیلۃ الحافظ القاری المفتی غلام حسن القادری رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ارشاد اور داعی حق مبلغ اسلام حضرت مولانا قاری محمد اصغر نورانی رحمۃ اللہ علیہ شکر اللہ سعیدہ و تقبل اللہ منا و منہ کی امارت میں منعقد ہوا۔ اس مسابقے کا عنوان تھا:

”اہل سنت و جماعت کے حالیہ انخطاط کے عوامل کیا ہیں؟“

اور اتحاد اہل سنت کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟“

اس مسابقے کو کامیاب بنانے کی بساط بھر کوشش کی گئی، جو بجز اللہ ہماری توقعات پہ پوری اُتری، لیکن اس کے غیر معمولی اثرات کا اندازہ اُس وقت ہوا جب اہل سنت کے نوجوان محقق عالم دین اور تحریک نظام مصطفیٰ بہاول پور کے امیر محترم حضرت علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی مصطفوی اعانہ اللہ تعالیٰ فی العسر و اليسر نے اسی سلسلے میں اپنی تحریر ارسال فرمائی، نہ صرف مضمون لکھ بھیجا، بل کہ اتحاد اہل سنت کی اس فکری اور شعوری تحریک کو قومی آواز بنانے کے لیے اپنی تنظیم کے ترجمان رسالہ ماہ نامہ ”متاع کارواں“ میں ماہ وار مضامین کا ایک سلسلہ شروع کر دیا، اگست ۲۰۱۳ء تا فروری ۲۰۱۴ء کے شمارے اس حوالے سے دیکھے جاسکتے ہیں، جب کہ مارچ ۲۰۱۴ء / ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ کا شمارہ خاص ”اتحاد اہل سنت نمبر“ شائع کیا، جو سنی صحافت کی اولیات میں سے قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ شمارہ پانچ ہزار کی معقول تعداد میں چھاپ کر ملک کی مقتدر دینی شخصیات اور علماء و قائدین کو ارسال کیا گیا۔ علاوہ ازاں ۲۰۱۳ء تا حال ”متاع کارواں“ کا ایک نمایاں رنگین صفحہ ”آخر یہ متحد کیوں نہیں ہوتے؟“ کے عنوان سے خاص ہے، جس میں اہل سنت کی تمام بڑی تنظیمات کے قائدین کے نام اتحاد کی اپیل اور دعوت فکر و عمل دی جاتی ہے اور ان کا یہ عزم ہے کہ جب تک تمام سنی اتحاد نہیں کر لیتے یا انھیں اس راہ میں شہید نہیں کر دیا جاتا تب تک اُن کا یہ مطالبہ اسی طرح چھپتا رہے گا۔ قادر مطلق جل جلالہ ان کی مخلصانہ کوششوں کو ثمر بار فرمائے!



اس رسالہ اور اس موضوع پر لکھی گئی کسی بھی تحریر کے مطالعہ سے پہلے چند نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

سب سے پہلے اس بات کا صحیح تعین کرنا ضروری ہے کہ ہماری قوم جس قسم کے زوال و انحطاط سے دوچار ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ حالات کا درست تجزیہ کرنے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ نہ تو وسائل کے انحطاط کا شکار ہے، نہ افراد کا، نہ اداروں کا، نہ تحریکوں کا، نہ اثر و رسوخ کا، اور نہ یہ سب کا زوال ہے، بل کہ یہ سارا کا سارا علمی، فکری، تہذیبی اور اخلاقی زوال ہے۔ دنیا کی کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا تمام تر دار و مدار اسی پر ہوتا ہے۔

دوسری بات علت اور معلول کا صحیح فرق معلوم کرنا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر زوال کے جو اسباب و علل بیان کیے جاتے ہیں درحقیقت وہ تمام کے تمام محرکات و اسباب نہیں ہوتے، بل کہ ان میں بعض اسباب زوال اور بقیہ سب نتائج زوال ہوتے ہیں، اور یہ بات صاف ہے کہ کسی چیز کے اسباب قلیل اور نتائج کثیر ہوا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک بات کو زوال کا سبب قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے، یہ بہت لطیف فرق ہے جو وسیع مشاہدے اور فلسفہ عمرانیات کے مطالعے سے کھلتا ہے۔

تیسرے کون سا سبب بنیادی اور کون سا سطحی ہے، کون سا جزوی ہے اور کون سا کلی؛ تمام اسباب کو ایک ہی زمرے میں رکھنا انصاف نہیں ہے، ان سب کو اپنی اپنی حیثیت میں جاننا ضروری ہے، تاکہ اصلاحی تحریکات کو موثر اور کارگر بنایا جاسکے۔

شکست اور زوال کے درمیان بھی عمرانیات کے ماہرین نے فرق کیا ہے، جسے پیش نظر ہونا چاہیے، تاکہ خلط بحث نہ ہو سکے۔ ان کے مطابق ”شکست سے مراد کسی قوم کا انتشار ہے۔ یعنی جب وہ کم زور ہو کر ٹوٹنے لگتی ہے اور بالآخر ٹوٹ جاتی ہے۔ ایک اکائی کئی اکائیوں میں بٹ جاتی ہے، ایک شے کے کئی ٹکڑے ہو جاتے ہیں، لیکن اگر ٹکڑا خود مضبوط ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، قوم میں ہم آہنگی قائم رہے تو زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔ شکست اُس صورت میں ہوتی ہے جب قوم کے کم زور ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد یہ ٹکڑے بھی کم زور ہو جاتے ہیں، جو انتشار قوم میں تھا وہی انتشار ان ٹکڑوں میں بھی جاری رہتا ہے۔ گویا شکست و ریخت کا عمل جاری رہتا ہے۔“ اور ”زوال سے مراد کسی قوم کی وہ حالت ہے جب وہ شکست کی منزل سے گزرنے کے بعد پستی کی اُس سطح پر پہنچ جائے جہاں وہ اپنے وجود کے لیے دوسری قوموں کی محتاج ہو جائے، اس کی خود ارادیت بہت کم رہ جائے، بیش تر اہم



فیصلے کرنے میں دیگر اقوام سے حکم و ہدایت حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو۔ معاشی، سیاسی اور سماجی حیثیت سے دوسری قوموں کی دست نگر ہو اور اس طرح تخلیقی، علمی اور فنی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو جائے۔“  
(قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ: آغا اختر حسین، ص ۴-۲۰۳، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۳۳۵ھ/۲۰۱۵ء)  
بہت سے لوگوں کا گمان ہے کہ اتحاد کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اتحاد ہوگا تو سارے کام ہو جائیں گے۔ یہ ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ اگر ادارے اور افراد اپنے اپنے حصے کا کام پوری دیانت داری، اخلاص، توجہ اور محنت سے انجام دے رہے ہوں نیز اپنی کوتاہیوں کا ادراک بھی رکھتے ہوں تو کس اتحاد کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے! اور بالفرض اتحاد ہو بھی جائے اور ڈگر وہی پرانی ہو تو اتحاد سے ہم کون سا تیر مار لیں گے!! اتحاد کے منافع و برکات سے قطعی انکار نہیں، مقصود یہ بتانا ہے کہ اصل رکاوٹ عدم اتحاد نہیں بل کہ عدم شعور اور عدم کار ہے۔

آج سے ۳۵/۳۰ سال پہلے کی نوجوان نسل جنہوں نے اپنی جوانیاں دینی جماعتوں کی نذر کر دیں اور تنظیمی خدمات انجام دیتے دیتے اُن کے بال سفید ہونے کو ہیں اُن سے ہمیں سننے کو ملا ہے کہ جب سے اس میدان میں قدم رکھا ہے تب سے یہ آواز کانوں میں گونج رہی ہے کہ ”اہل سنت کا اتحاد ہونا چاہیے“، لیکن ایک زمانہ گزر گیا، یہ موقع دیکھنا ہمیں نصیب نہیں ہو سکا اور شاید ہو بھی نہ، اس لیے ہماری زندگی کا نچوڑ یہ ہے کہ لا حاصل قسم سی سرگرمیوں میں اپنی توانائیاں صرف کرنے کی بجائے اپنے حصے کے کام میں پورے خلوص اور لگن کے ساتھ مگن ہو جائیں، اتحاد نہ بھی ہوا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی، لیکن کام کرنے سے کم از کم ارتقا کا عمل تو جاری رہے گا۔  
اتحاد اہل سنت لا ینخل مسئلہ نہیں ہے، لیکن یہ اب تک اس لیے ناممکن بنا ہوا ہے کہ اول تو ہم نے غلط بنیاد پر اتحاد کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی، کیوں کہ اتحاد شخصیات سے نہیں ہوتا نظریات سے ہوتا ہے، دوسرا اتحاد کے لیے جو ترکیب، تعمیر اور اخلاص درکار ہے وہ ہمیشہ سے قوم میں مفقود رہا ہے، قائدین اور کارکنان میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں کئی اتحاد ہوئے، مگر چند دن قائم رہنے کے بعد اپنی موت آپ مر گئے اور اندرونی خلیجیں وسیع تر ہوتی گئیں، لہذا ایک مضبوط، توانا اور ہمہ گیر دائمی اتحاد کے لیے ناگزیر ہے کہ فکری و عملی سطح پر وہ انقلاب پیدا کیا جائے جو اتحاد کے لیے مطلوب ہے، اس کے بعد جو اتحاد وقوع پذیر ہوگا وہ بہر صورت پایہ دار اور ناقابل شکست ہوگا۔



کسی کا عشق، کسی کا خیال تھے ہم بھی گئے دنوں میں بہت باکمال تھے ہم بھی  
ہم عکس عکس بکھرتے رہے اسی دھن میں کہ زندگی میں بے مثال تھے ہم بھی  
(عالب)

تحقیق کم، تنقید بیش۔ فکر کم، جوش زیادہ۔ شعور تھوڑا، جذبات بہت۔ عمل قلیل، دکھاوا کثیر۔  
مطالعہ فقید، مجادلہ مزید۔ دعویٰ بلند، دلیل پست۔... علیٰ ہذا... ہماری سوسائٹی کا برسوں سے یہی مزاج  
بنا ہوا ہے!!! احساس ہوتا ہے کہ اس قوم کو زعم میں مبتلا رہنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ خواب نوشیں  
سے حظ اٹھانے کے شمار نے افراد ملت کے قلوب و اذہان پر مردنی پھیر دی ہے۔ ”پدرم سلطان  
بود“ کا سبق تو بچے بچے کی نوک زبان ہے، لیکن ”شما چیست؟“ کا درس لینے کا خیال خال خال کو ہی  
آتا ہے۔ دینی اعتبار سے مذہبی لحاظ سے، مسلکی اور مشربی رُوسے، ملکی طور پر قومی سطح پر، الغرض  
ماڈی ہو کہ روحانی ہر طبقہ کو کسی نہ کسی قدر یہ عجب مستوجب ہے۔ غیر قوتیں ہماری اس روش سے  
بہت خوش ہیں، کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ نیست و نابود اقوام کے یہی وہ ناسور ہوا کرتے تھے جو  
ہبوط و تنزل کو ان کا مقدر بنادیا کرتے تھے۔

ہاں، ایک عرصہ تک ہماری یہ شناخت رہی ہے، مگر ہر قوم اور معاشرے میں چند مضطرب  
روحیں ضرور موجود ہوتی ہیں جو اپنے اجتماعی مسائل و فو ازل کا پورا پورا ادراک رکھتی ہیں اور اپنوں  
کی اپنے ہی ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کے تدافع کے لیے اپنے حصے کی قربانی دے کر ملت کی  
کشتی کو عظیم خیز موجوں سے بچا بچا کر منزل شوق کی جانب رواں دواں رکھتی ہیں۔ ویسے بھی  
انقلاب وقت اور حالات کی ستم ظریفیوں نے ملتی ارتعاش کو ایسے حادثاتی زلازل میں بدل دیا ہے  
جس کی خوف ناک جنبش کھوکھلے ایوانوں اور نا استوار در و دیوار کو دھڑام سے ذلت کی زمین پر پٹخ  
کر پاش پاش کر رہی ہے۔ قدرت کا فیصلہ یہی لگتا ہے کہ زمانے کی ایک پلٹ اور کروٹ دھرتی  
کے اس بوجھ کی خاک کو تاریک راہوں میں تتر بتر کر دے گی۔

نہ لہرائے کیوں کر ہوائے جنوں کہ ہے شورش افزا یہ ساون کی زت

(انشاء)

اہل سنت الحمد للہ جانب منزل گام زن ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ منفی رویوں کا ازالہ  
کر کے ان کی جگہ مثبت رویوں کو رواج دیا جائے، ایک دن اہل سنت اپنا تاب ناک مستقبل سر کی  
آنکھوں سے دیکھیں گے ان شاء اللہ۔  
خیر اندیش: محمد رضا الحسن قادری



## انحطاطِ اہل سنت کے عوامل

ایک طویل عرصہ سے اہل سنت میں اپنے انحطاط اور عدم اتحاد کے بارے میں ایک قلق، ایک اضطراب اور ایک بے چینی پائی جاتی ہے، جس کا اظہار اب نجی محافل سے نکل کر کھلی تقریر و تحریر تک آن پہنچا ہے۔ بہت کچھ گنوا لینے کے بعد اتنی بات تو بہر حال خوش آئند ہے کہ ہم نے کم از کم اپنے زوال کے حوالہ سے کچھ سوچنا تو شروع کیا اور اس پر بحث و مباحثہ کا بند دروازہ وا کرنے پر تیار تو ہوئے، ورنہ تو بہت سے لوگ اس موضوع پر سوچنے کو بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔

انحطاطِ اہل سنت کے عوامل پر غور کرنا ہماری زوال پذیر قوم کو بہت بُرا لگتا ہے اور دراصل یہی ہمارا انحطاط ہے۔ جس دن ہم نے اپنے زوال کے عوامل پر غور کرنا شروع کر دیا اور جس دن اس موضوع پر تقریری و تحریری کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی شروع کر دی، دراصل وہی ہماری ترقی کا پہلا دن ہوگا۔ حیرت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ آج بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جو کچھ چل رہا ہے ٹھیک ہی چل رہا ہے، انحطاط وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، بل کہ وہ یہاں تک بھی کہہ گزرتے ہیں کہ یہ انحطاط ہماری حقانیت کی دلیل ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ ہمارے نزدیک یہی لوگ دراصل اس زوال کے ذمہ دار ہیں۔

آج اہل سنت پر آثارِ مرگ طاری ہیں، دنیا انھیں کچا چبا جانے کے لیے اپنے تمام تر منصوبے بہ روئے کار لا رہی ہے، ارستی ہیں کہ غفلت کی چادر اوڑھ لے لی تان کر سوئے ہوئے ہیں، جو بھی انھیں جگانے کے لیے آواز لگاتا ہے اسے سنگ ساری کی سزا دے کر پیوندِ خاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوں ہمت اور زوال پذیر اہل سنت محسن کشی میں اپنی مثال نہیں رکھتے، جو خانقاہ نشین ہو جائے اور گھر سے قدم باہر نہ رکھے اُس کے لیے عزت ہی عزت اور جو میدانِ عمل میں کام کرنے کی کوشش کرے اُس کے لیے ذلت ہی ذلت۔ یہ ہر اُس شخص کے مخالف ہوتے ہیں جو انھیں بقا، سلامتی اور عزت و عظمت کا راستہ دکھاتا ہے اور ہر اُس شخص کے



قدموں میں گرتے ہیں جو خود بھی خوابِ خرگوش کے مزے لیتا ہے اور انھیں بھی میٹھی نیند کی لوریاں سناتا ہے۔ اجتماعی خودکشی کا ایسا خوف ناک نظارہ چشمِ فلک نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے زوال و انحطاط کے عوامل کا کھلے عام جائزہ نہیں لیتی اور جب تک اُس کے تذازک کا لائحہ عمل تیار کر کے اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اپنے لوگوں کو تیار نہیں کرتی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے سابقہ معاملات بھی جوں کے توں رہیں اور ارتقا کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔ کیوں کہ جب انحطاط سے نکلنے کا راستہ اپنایا جائے گا تو پھر اپنے بہت سے معمولات اور نظریات پہ نظر ثانی کرنی ہوگی۔ پس اگر ہم اپنے اندر انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے کے لیے تیار ہیں تو پھر انحطاط کا خاتمہ بھی چند دنوں کی بات ہے اور اگر ہم ان تبدیلیوں کے لیے تیار نہیں تو پھر محض تقریروں، تحریروں اور مباحثوں سے بھی کام نہیں چلنے والا۔

عقل و خرد، دردِ دل اور عروج کی خواہش رکھنے والے لوگوں پر بہت بڑا فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بلا خوف و موت لائٹ ہمہ گیر و ہمہ جہت تبدیلیوں کا فارمولا لے کر میدانِ عمل میں اتر پڑیں۔ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ اگر بندہ سچی فکر کے علم کے ساتھ دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہو تو ساتھ دینے والے اور حمایت کرنے والے بھی مل جاتے ہیں۔

سفر ہے شرطِ مسافر نواز بہترے ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے  
لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ترقی کی اس شاہ راہ پر گام زن لوگوں کو جہاں محبت کرنے والے ملتے ہیں وہاں ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو انقلابی سوچ رکھنے والوں کو تنگی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ ساکت و جامد اور انقلاب دشمن لوگ بڑے اخلاص کے ساتھ عوام کو یہ مشورہ دیتے نظر آتے ہیں کہ فلاں فلاں لوگوں سے بچ کے رہنا، وہ تمہیں کنوئیں سے باہر نکالنے کے چکر میں ہیں۔ اگر تم نے ایک مرتبہ ان کی رستی کو تمام لیا تو پھر کنوئیں کے عیش تو دور کی بات ہے خود کنواں ہی تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ لہذا اگر کنوئیں کی حفاظت چاہتے ہو تو انقلابی سوچ رکھنے والے ان خطرناک لوگوں سے بچ کے رہنا۔ مگر اس طرح کا مشورہ دینے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جب کنواں ہاتھ سے جائے گا تو سمندر ہاتھ لگے گا۔ ہاں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ کنواں تو نا اہل لوگوں کے قبضے میں ہے، مگر سمندر اہل، باصلاحیت اور ماہر لوگوں



کے ہاتھ میں ہوگا اور یہی چیز ان نا اہلوں کو گوارا نہیں۔

اب ہم ان تمہیدی گزارشات کے بعد اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور ان عوامل پر غور کرتے ہیں جو ہمارے انحطاط کا سبب ہیں۔ یاد رہے کہ ان عوامل کا بیان کرتے ہوئے بہت سے مقتدر طبقات کے مفادات پر بھی ضرب لگے گی، بہت سے حساس معاملات بھی زیر بحث آئیں گے، بہت سے زخم بھی کریدے جائیں گے اور بہت سے پیپ بھرے پھوڑوں پہ نشتر بھی چلیں گے، جس سے کئی مریضوں کو شدید تکلیف ہوگی، مگر ہم کیا کریں کہ مرض کے علاج کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

ہمارے انحطاط کے عوامل درج ذیل ہیں:

- 1- علم سے دوری
- 2- تربیت کی کمی
- 3- عدم اتحاد
- 4- نظم کا فقدان
- 5- جمہوری نظام سے وابستگی
- 6- نفاذ نظام مصطفیٰ کے لیے انقلابی جدوجہد سے پہلو تہی
- 7- قیادت کا بحران
- 8- تزکیہ نفس کا نہ ہونا
- 9- جدوجہد سے دوری
- 10- جذبہ قربانی کا سرد ہو جانا
- 11- وسائل کا غلط استعمال
- 12- محافل کی بے مقصدیت
- 13- مدارس عربیہ میں تعلیمی نظام کی کم زوری
- 14- تصنیف و تالیف کی رفتار کا ست ہونا
- 15- علما و مشائخ کی تنظیمی دھارے میں شمولیت سے کنارہ کشی
- 16- نصاب تعلیم کا عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونا



17- پیری مریدی، نعت خوانی، نقابت اور امامت و خطابت کو خدمت کی بہ جاے پیشہ بنالینا  
اب تفصیل ملاحظہ ہو!

○ ہماری جماعت کی توجہ پچھلے کئی سال سے ”علم“ سے ہٹ گئی ہے جو کہ کسی بھی جماعت، طبقہ یا مملکت کا بنیادی اور ضروری ہتھیار ہوتا ہے۔ ہمارے پاس دینی و عصری علوم و فنون کے لیے یا تو مدارس ہیں ہی نہیں یا پھر اگر ہیں تو غیر فعال ہیں۔ مدارس کا عدم وجود صرف ہماری عدم توجہ اور علم کی اہمیت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مدارس کی ویرانی صرف ہماری عدم محنت اور عوام میں علمی شعور اُجاگر کرنے میں سستی کے سبب سے ہے، یعنی دونوں صورتوں میں ہم خود ہی اس بڑے اور گہرے خلا کے ذمہ دار ہیں۔

یاد رہے کہ صرف علم ہی وہ چیز ہے جو نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے واحد اور بہترین ہتھیار ہے اور اس ہتھیار کو استعمال کرنے والی فوج ہمارے علما اور طلبا ہیں۔ ورنہ چند بے ریش، بے نمازی اور بے عمل نعت خوانوں اور درباروں کے بے عمل و بے عقل مجاور نہ تو کبھی دین کو بچا سکے ہیں اور نہ ہی ان کے ذریعے سے دین پھیلا ہے۔ ہاں، اگر کوئی دین کو بچا سکتا ہے تو وہ علم و عمل کے حامل باصلاحیت افراد ہیں۔

○ ہماری عوام کا کثیر سرمایہ غیر ضروری خیرات، مزارات، دور دراز درباروں کی زیارت، مہنگی مہنگی نعت خوانیوں اور اسراف سے بھرے جلسے جلوسوں کی نذر ہو جاتا ہے، جن کا عوام کو علمی طور پر کچھ بھی فائدہ نہیں۔ حالاں کہ عوام اہل سنت کو یہ سرمایہ مدارس بنانے اور انھیں مضبوط کرنے پر صرف کرنا چاہیے۔ اہل سنت کے ذمہ داران نے بھی آج تک ان کی توجہ اس جانب مبذول کرانے یا اس سمت ان کا ذہن بنانے کی زحمت نہیں کی، جس کی وجہ سے جماعت میں ایک بہت بڑا علمی خلا پیدا ہو چکا ہے، جسے اب پُر کرنے کی نہ صرف اشد ضرورت ہے، بل کہ دور حاضر کا اہم تقاضا بھی ہے۔ خیرات کا بنیادی مقصد ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ اگر اسی روپے سے کسی مدرسے کا راشن لے لیا جائے تو تین سے چھ ماہ تک با آسانی مدرسہ کا نظم و نسق چل سکتا ہے۔

کئی گروپ علم یا عالم کی معیت کے بغیر ہزاروں روپے کا خرچ برداشت کر کے دور دراز علاقوں میں مزارات کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور وہاں پکنک کی طرح سیر و تفریح سے



لطف اندوز ہوتے ہیں جس سے وہ روحانی، علمی، عملی اور قلبی فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ آج کل جدید ”پاپ نعت خوانی“ کی محافل کا رواج نکل پڑا ہے جس کی وجہ سے عوام روحانی فیض کے بہ جائے نفسانی لذت حاصل کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ ٹوکن سسٹم کے ذریعے حج یا عمرہ کے ٹکٹ بھی رکھے جاتے ہیں جو کسی ایک خوش نصیب کو دیا جاتا ہے جس کے اخراجات پورے کرنے کے لیے لاکھوں روپیہ عوام سے جمع کیا جاتا ہے اور یہ سب سرمایہ صرف ایک ہی رات میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔

اکثر جلسہ میں کسی مہمان کے آنے پر تقریر یا نعت خوانی چھوڑ کر سارے مجمع کو استقبال کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو سراسر آداب محفل کے خلاف ہے۔ یہ سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔ اسی طرح دورانِ جلسہ دنیاوی شخصیات کی آمد پر بھی بہت شور شرابا کیا جاتا ہے۔ اس سے بھی پرہیز کیا جانا چاہیے کیوں کہ یہ چیزیں نفسیاتی اعتبار سے بہت زیادہ نقصان کا سبب ہیں۔ اسی طرح متفرق جلسوں اور جلوسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے، اس میں بھی کاروباری نعت خوانوں، شعلہ بیان خطیبوں اور دیگر غیر ضروری آرائش و زیبائش پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر اس قیمتی سرمایہ کا رخ اہل سنت کے چلتے مدرسوں کی طرف موڑا جائے تو اس سے مدارس کے تمام اخراجات بہ خوبی پورے کیے جاسکتے ہیں، بل کہ اتنے سرمائے کی موجودگی میں مدرسین و مہتممین کے وظائف دو گنے چو گنے تک بھی کیے جاسکتے ہیں، جس سے یہ حضرات فارغ البال ہو جائیں گے اور اس طرح دین کا کام اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ہوگا۔

○ ہمارے اولیاء کے مزارات، ہماری مساجد اور ہمارے مدارس کے بارے میں عمومی طور پر ایسا تاثر (Impression) بنا ہوا ہے کہ عام مسلمان ان سے بدظن ہے۔ وہ مسلمان جس کے ۲۰، ۳۰ سال گنا ہوں کی ذل میں گزرے ہوں اور اب وہ توبہ کرنا چاہتا ہو اور مذہبی دنیا میں اپنا پہلا قدم رکھنا چاہتا ہو، اگر اس کے سامنے دو انتخابات (Options) ہوں؛ ایک اہل سنت و جماعت بریلوی اور دوسرا دیگر مسالک کا منظم تنظیمی و تبلیغی نیٹ ورک، تو وہ اہل سنت کے بہ جائے دیگر مسالک کی تنظیمات کو ترجیح دے گا، کیوں کہ ہمارے مسلک میں رائج درباروں پر ہونے والی کھلے عام ظاہری برائیاں، علم کی کمی، مال کا اسراف، پیری



مریدی کے بے ہنگم اور بے فیض حلقے، چھوٹے چھوٹے اختلافات کی وجہ سے سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹے ہوئے لوگ؛ ان میں سے کوئی بھی چیز اس کے لیے باعث کشش نہیں ہے، بل کہ یہ سب چیزیں لوگوں کو اہل سنت سے دور کر رہی ہیں۔ ہماری یہ کم زوریاں صرف ہماری ناکامی کا ہی باعث نہیں ہیں بل کہ دوسرے طبقات کی کامیابیوں کا سبب بھی ہیں۔

○ خطیبوں اور پیش اماموں کی اکثریت عوام کو خوش کرنے یا مجمع میں مل چل پیدا کرنے یا ان سے داد و وصول کرنے کی خاطر جو شیلے اور جذباتی خطابات کرتی ہے۔ ان خطابات سے عوام میں دیگر طبقات اور مسالک کے لیے نفرت تو پیدا ہو جاتی ہے مگر ہماری عوام علم اور اصلاح جیسی اہم چیزوں سے محروم رہ جاتی ہے۔ سال ہا سال کی اس غلط روش کی وجہ سے آج ہمیں ایک جاہل قوم کا سامنا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔

○ اکثر مساجد خاص طور پر دیہاتوں کی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ پیش امام عالم نہیں ہوتا، حالاں کہ پیش امام میں کم از کم اتنا علم تو ضرور ہونا چاہیے کہ جس سے وہ اپنی اور عوام کی شرعی، علمی اور عملی ضروریات کو پورا کر سکے، جس کے نتیجے میں علم کے طلب گاروں کا رجحان تبدیل ہوتا جا رہا ہے اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ دوسرے کمپس (Camps) میں جا رہے ہیں یا پھر وہ کم از کم تذبذب کا شکار ضرور ہیں۔

○ اہل سنت میں ظاہری اصلاح، تبلیغ اور تنظیمی تربیت جیسے اہم، ضروری اور بنیادی عناصر کی انتہائی حد تک کمی ہو چکی ہے بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں معدوم ہو چکی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کوئی بھی ادارہ ہو خواہ مذہبی ہو یا دفاعی، یا معاشی یا معاشرتی، اس کو چلانے کے لیے تربیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ تربیت ہر کام کی بنیاد ہے، تو جب بنیاد ہی نہ ہو یا کچی اور کم زور ہو تو پھر اس پر عمارت کیوں کر تعمیر کی جاسکے گی۔ بل کہ پہلے سے تعمیر شدہ عمارت بھی تربیتی بنیادوں کے کھوکھلا ہونے سے بالآخر انہدام کا شکار ہو جائے گی اور اہل سنت میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

○ عوام میں غیر ضروری وجد و تواجد اور جوش و دیوانگی بھی ہماری کارکردگی کو نہ صرف متاثر کر رہے ہیں بل کہ طنز و مزاح کا سبب بھی بن رہے ہیں۔ درباروں، نعت خوانی کی محفلوں اور خانقاہوں وغیرہ میں اس جوش و دیوانگی کو باآسانی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسی حرکتیں کرنے



والے لوگوں میں اکثریت جہلا کی ہوتی ہے۔ حیرت اس بات کی ہے کہ بعض جگہوں پر تو اس کی مختلف طریقوں سے حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے، جس سے اس دیوانگی کا رجحان مزید پختگی کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے، جب کہ آج ہمیں جوش کی نہیں، ہوش کی ضرورت ہے، کیوں کہ ہوش و حواس اور بیداری کے ذریعے ہی ہم دین کی صحیح خدمت سرانجام دے سکتے ہیں نہ کہ جوش و دیوانگی اور وجد و اویلا سے۔

علوم کا تبادلہ، تبلیغ و تلقین، منصوبہ بندی اور اس پر عمل کو اسی ہوش و حواس کے ذریعے ہی اچھے خطوط پر منتقل و استوار کیا جاسکتا ہے، لہذا دیوانگی اور وجد و تواجہ کی حوصلہ شکنی کر کے اس پر نظریاتی پابندی لگائی جائے۔ اگر کوئی پڑھا لکھا اس عمل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو پھر اسے خود بھی حال کھیل کر عوام کو عملی راہ نمائی پیش کرنی چاہیے۔

○ مسلک اہل سنت میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا میدان تو تقریباً خالی ہی پڑا ہے۔ جس کی وجہ سے گھروں کا ماحول غیر اسلامی بن چکا ہے۔ یہی ماحول عورتوں اور بچوں کے دین سے قریب ہونے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ مرد تو مذہبی ماحول کی دست یابی کی وجہ سے پھر بھی کچھ نہ کچھ دین دار بن جاتا ہے، مگر گھروں میں بیٹھی خواتین مذہبی ماحول اور علمی محافل کی عدم دست یابی کی وجہ سے بہت پیچھے رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی گھر کے مرد و زن میں بہت بڑا خلا (gap) پیدا ہو جاتا ہے، جو کہ نہایت خطرناک ہے۔

○ اسی طرح اہل سنت کے زوال کی ایک وجہ مرد و خواتین کی انتخابی سیاست بھی ہے، کیوں کہ انتخابی سیاست قطعاً اسلام سے مطابقت نہیں رکھتی۔ حالیہ انتخابات ۲۰۱۳ء میں پاکستان بھر میں اہل سنت کو نہ کوئی ایم این اے کی سیٹ ملی ہے اور نہ ہی ایم پی اے کی، جب کہ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ اہل سنت ملک کی غالب اکثریت اور سواد اعظم ہیں، ان کی آبادی ۷۰ فی صد کے قریب ہے، اور اگر انتخابات کے میدان میں تمام اہل سنت مل کر آخری حد تک بھی جدوجہد کر لیں تو آئندہ بیس پچیس سالوں میں صرف بیس پچیس سیٹیں ہی نکال سکتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بیس پچیس سیٹوں سے ملک میں نظام مصطفیٰ آجائے گا؟ یقیناً نہیں، جب کہ ہمیں تو نظام مصطفیٰ چاہیے۔

یاد رہے کہ اہل سنت اہل حق ہیں اور جمہوریت نظام باطل ہے، نظام باطل میں اہل باطل تو



کام یاب ہو سکتے ہیں، مگر اہل سنت نہیں۔ حق اور باطل کا آپس میں کیا جوڑ؟ باقی جو اکاؤ کا سنی کام یاب ہوئے ہیں وہ سنی نہیں بلکہ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی والے کام یاب ہوئے ہیں۔ اہل سنت کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ایک قیادت کے تحت متحد ہو کر پیغمبرانہ طریقہ کے مطابق پُر امن، باشعور اور طاقت ور انقلاب کا راستہ اختیار کریں اور ملک میں کامل طور پر نظامِ مصطفیٰ لائیں۔ خدا کی قسم! نظامِ مصطفیٰ کے نام پر پندرہ بیس بیس نکال لینے کا نام نظامِ مصطفیٰ ہرگز نہیں۔

○ مروجہ باطل سیاسی نظام میں اہل حق کا چلنا بے حد دشوار ہے، کیوں کہ اس کی فضا ہی ایسی ہے کہ اس میں دینِ جل کر کوئلہ ہو جاتا ہے۔ مروجہ نظام میں صرف جھوٹے، دعا باز، دوغبر اور فراڈی لوگ ہی چل سکتے ہیں۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ اُس کی پارسائی بھی برقرار رہے اور مروجہ سیاست سے بھی لطف اندوز ہوتا رہے تو یہ اجتماعِ نقیضین ہے۔ لہذا اہل سنت کو مکمل طور پر مروجہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے انقلاب کی شاہ راہ پر گام زن ہونا چاہیے۔ یہ مروجہ سیاست اہل سنت کے لیے قطعاً سازگار نہیں ہے اور نہ ہی اس سے دین کا کوئی فائدہ ہے۔ ہاں، اگر کرپشن کے الزام لگوانے ہوں، ڈیزل کے پرمٹ لینے ہوں، بدنامی مول لینی ہو، کچڑ اچھلوانی ہو اور ذاتی مفادات حاصل کرنے ہوں تو بڑے شوق سے اس سیاست کا حصہ بنیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

○ مروجہ سیاست ڈیوائیڈ اینڈ رول (Devide & Rule) یعنی ”تقسیم کرو اور حکومت کرو“ کے اصول پر مبنی ہے۔ یہ جماعتوں اور تنظیموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ ایک ایک جماعت دس دس جماعتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور یہی کچھ اہل سنت کے ساتھ بھی ہوا ہے کہ وہ سینکڑوں ٹولیوں اور ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کے رہ گئے ہیں۔ آج بھی اگر کسی منظم جماعت کو تحلیل کرنا ہو تو اسے ایکشن میں کھڑا کر دیجیے اور پھر دیکھیے کہ آئندہ چند سالوں میں اس کا کیا حشر نشر ہوتا ہے۔ چوں خرد در کان نمک رفت، نمک شد۔

○ پھر اہل سنت میں جو پیری مریدی کا شتر بے مہار سٹم رانج ہے یہ بھی اہل سنت کے اتحاد اور نظامِ مصطفیٰ کا سب سے بڑا دشمن ہے، کیوں کہ مروجہ سیاسی نظام اور خانقاہی نظام آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ سیاسی نظام بھی کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے اور خانقاہی نظام بھی کئی



مکڑوں میں بٹ جاتا ہے، نہ اس میں کہیں وحدت نظر آتی ہے نہ اس میں کہیں وحدت نظر آتی ہے، وہاں بھی مالی مفادات حاصل کیے جاتے ہیں اور یہاں بھی نذرانے بٹورے جاتے ہیں، وہاں بھی خاندانی سیاست چلتی ہے اور یہاں بھی موروثی گدی نشینی چلتی ہے، غرض اگر اہل سنت کو متحد دیکھنا ہے تو پھر ان پیروں اور خانقاہوں کے نخرے اٹھانے کے بہ جاے ان کے باطل نظام کو ہی کرش کر دیا جائے۔ ان میں سے جو مرکزیت کے تحت آنا قبول کرے اس کو بہر حال عزت دی جائے اور جو مرکز گریز، حجابات کا حامل ہو اُسے اٹھا کے کوڑے دان میں پھینک دیا جائے۔

○ ہم نے دیکھا ہے کہ سب سے زیادہ یہی گدی نشین اور پھر کاروباری مولوی صاحبان ہی مروجہ باطل سیاست کو سپورٹ کرتے ہیں، وہ کبھی مسلم لیگ میں شامل ہوتے ہیں اور کبھی پیپلز پارٹی میں، کبھی کسی سیاسی وڈیرے کو طاقت فراہم کرتے ہیں اور کبھی کسی بااختیار آمر کو، اور بدلے میں غیر ملکی کانفرنسوں میں شمولیت کے مزے، تھوڑے بہت مالی مفادات اور دیگر ذاتی اغراض و مقاصد حاصل کر لیتے ہیں، لیکن اس کے نتیجہ میں اہل سنت کی وحدت صفر اور قوت فنا ہو کے رہ جاتی ہے، گویا یہ سیاسی پیر اور کاروباری مولوی ہی وہ لوگ ہیں جو معمولی معمولی مفادات حاصل کر کے اہل سنت کی اجتماعیت کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں، انھیں کوٹھی، کار، عہدہ یا معمولی سا نذرانہ بھی مل جائے تو وہ حکم رانوں، سیاسی پارٹیوں اور وڈیروں کے کلمے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

مل جائے جہاں چندہ وہی وطن الہ کا

ہندی ہیں نہ مصری نہ چینی ہیں نہ روسی

○ اگر ہم غلط ہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ ستر فی صد اہل سنت کو اس ملک میں بے نام و نشان کرنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ ان پیروں اور مولویوں نے اہل سنت کو جو سٹرکچر دیا ہے اور ان لی جس طرح کی غلط ذہن سازی کی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کی دشمن، ایک مولوی دوسرے مولوی کا دشمن، ایک مدرسہ دوسرے مدرسہ کا دشمن، ایک پیر دوسرے پیر کا دشمن، ایک نعت خواں دوسرے نعت خواں کا دشمن، ایک کامرید دوسرے کے مرید کا دشمن، غرض دشمنیوں پر مبنی یہ جہالت بھری فکر ہی سوادِ اعظم



کو لے ڈوبی ہے، جب تک اس ساری ناپاک فکر کا خاتمہ نہیں کر دیا جاتا اور نئی فکر کی آب یاری نہیں کی جاتی، تب تک اہل سنت کا احیا ممکن نہیں۔ آئیے مل کر ان گرتی دیواروں کو ایک دھکا اور دیں اور ان کے کھنڈرات پر ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھیں۔ اگر اہل سنت موجودہ انتخابی سیاست اور اپنے ہاں مروج غیر فطری نظام پر ہی قانع رہے تو پھر کان کھول کر سن لیں کہ یہ دو نمبر پیر اور دو نمبر مولوی اسی طرح اہل سنت کی پیٹھ میں خنجر گھونپتے رہیں گے اور اہل حق کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔ ڈریں اُس وقت سے جب آپ کو یا رسول اللہ کا نعرہ لگانے یا میلاد کا جلوس نکالنے پر گولیوں سے اڑا دیا جائے اور آپ کچھ بھی کر سکنے کی ہمت نہ پاتے ہوں۔

ہماری یہ باتیں اگرچہ بہت تلخ اور کڑوی کیلی ہیں، مگر وہ وقت دور نہیں جب ہماری یہی باتیں یا تو انقلاب نو کا سبب بنیں گی اور یا پھر خاکم بہ دہن اُس وقت یاد آئیں گی جب اہل سنت ”پوائنٹ آف نویری ٹرن“ پر کھڑے ہوں گے، ان کے پاس دوسرا کوئی آپشن موجود نہ ہوگا اور سعودی عرب کے ستیوں کی طرح انھیں بھی کرش کر دیا جائے گا۔

یہ چند خامیاں جو اہل سنت میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہمارا مسلسل نقصان ہو رہا ہے، تحریر کر دی گئی ہیں، علمی و فکری حلقوں کا اعتقاد کر کے ان پر با آسانی قابو پایا جاسکتا ہے، اگر یہ خامیاں دور کر دی جائیں تو ہم ترقی کے ایک نئے اور کشادہ میدان میں قدم رکھ سکتے ہیں۔





## سوال و جواب

س: حصول پاکستان بالخصوص JUP اور MMA کے سقوط کے بعد ہم نے من حیث القوم کیا کھویا کیا پایا؟

ج: حصول پاکستان کے بعد اہل سنت نے یا قوم نے پایا کم اور کھویا زیادہ ہے۔ آج ملک کی صورت حال یہ ہے کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے 65 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن بارندامت سے ہمارا سر نہیں اٹھتا۔ یہاں ابھی تک غربت و افلاس ہے جس نے زندگی کو عذاب بنادیا ہے، یہاں جہالت ہے جس نے معاشرے کو ظلمت کدہ بنادیا ہے، یہاں بے روزگاری ہے جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں، یہاں بیماری ہے جس سے چھٹکارے کی کوئی راہ نہیں، یہاں گرانی ہے جو آئے روز بڑھتی چلی جا رہی ہے، یہاں زمینیں ہیں جو فاقہ مستی کا سبب ہیں، یہاں کارخانے ہیں جو تنگ دستی کا سبب ہیں، یہاں جوانیاں ہیں جو بہاروں کے انتظار میں خزاں رسیدہ ہو چکی ہیں۔

نہ کسی کا دین محفوظ ہے، نہ کسی کی عزت، نہ کسی کا مال محفوظ ہے، نہ کسی کی جان، ہر طرف خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، خود کش حملوں کا بازار گرم ہے، حوا کی بیٹی سر عام لٹ رہی ہے، چوری ڈاکہ روز کا معمول ہیں، رشوت، سود، شراب، جوا، منشیات اور فواحش و منکرات کا دور دورہ ہے، تہذیب مغرب اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ گھر گھر میں جلوہ گر ہو چکی ہے، نیو ورلڈ آرڈر کے مہیب سائے روز بہ روز گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ تو قوم کا مرثیہ تھا، جب کہ اہل سنت کا المیہ یہ ہے کہ جب اپنے ہدف اصلی سے صرف نظر کیا تو اب صورت حال سب کے سامنے ہے کہ ادارے، تنظیمیں، فنڈز، دفاتر، کارکنان، اخبارات، جرائد، دعوت و تبلیغ، ماہرین معیشت، قاضیان عدالت، قائدین سیاست، سرکاری اداروں میں اساتذہ، اوقاف و آرمی کے خطباء و ائمہ، فقہاء، مفتیان، مجتہدین، محدثین، مصنفین، معاشرتی ضروریات پوری کرنے والے عالی شان ملکتے، عالمی سطح کے اسکالرز، اجتماعی سوچ،



اجتماعی کام، یہ تمام شعبے بری طرح کم زور ہوئے ہیں... اور باقی کیا رہ گیا؟ کاروباری پیروں کے بڑے بڑے غول، پروفیشنل نعت خوانوں کی اُمنڈتی ہوئی فوجیں، بارہ تقریروں اور جہالتِ الحق کے موضوعات پر خطاب کرنے والے پیشہ ور مقررین، مزاروں، خانقاہوں، قلعہ خوانیوں، جہلموں، گنبدوں، میناروں، عرسوں، برسیوں، نعت و میلاد کی محفلوں پر اربوں خرچ کرنے والے عوام اور مدرسہ و تنظیم پر خرچ کرنے کو بے کار سمجھنے والے جہلا۔ یہی ہمارے حصے میں آئے اور اپنی بقا و دوام کے لیے انھیں مضبوط کرنا ہمارے لوگوں کی مجبوری ہے۔

باقی رہ گئی ہے یو پی اور ایم ایم اے کے سقوط کے بعد کی بات؛ تو ہم ایک ہی بات کہنا چاہیں گے کہ دینی لوگ انتخابی سیاست کے ذریعے ترقی کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کام مضبوط بنیادوں پر ہو اور اس کا وجود نظر نہ آئے۔ ملک بھی موجود ہے اور اہل سنت بھی موجود ہیں تو پھر اصل سبب ہے یو پی یا ایم ایم اے کا سقوط نہیں بلکہ صحیح خطوط پر کام کا نہ ہونا ہے۔ ایم ایم اے تو ایک وقتی اُبال تھا جو وقت کے ساتھ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور ہماری ماقبت نااندیشی کی وجہ سے جملہ سیاسی فوائد دیگر طبقات نے حاصل کر لیے۔ اتحاد اہل سنت کے بغیر اتحاد امت سراسر نقصان دہ ہے۔

**س: ہمارا دینی یا سیاسی امیر کون ہے؟ جس کی بیعت و اطاعت ہر ایک پر واجب ہو۔**

**ج:** اس وقت کوئی بھی اجتماعی طور پر ہمارا دینی و سیاسی امیر نہیں ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہو اور یہی ہمارا زوال ہے۔ ہم نے آخر میں اتحاد اہل سنت کے لائحہ عمل میں ایسے امیر کی وضاحت کر دی ہے جس کی بیعت و اطاعت ہم سب کے لیے ضروری ہوگی۔

باقی دینی کے ساتھ سیاسی کا علیحدہ لفظ تب سے وجود میں آیا ہے جب سے ہم نے اسلام میں جمہوریت کی پیوندکاری کی ہے۔ اسی جمہوریت نے آکر دین اور سیاست کو جدا جدا کر دیا ہے۔ آپ جمہوریت کو درمیان سے نکال دیں، دین اور سیاست خود بہ خود ایک ہو جائیں گے۔ دین کی سیاست انقلابی سیاست ہے، اس لیے دین و سیاست دونوں کا امیر بھی ایک ہی ہوگا۔ دین کی سیاست جمہوری سیاست نہیں کہ دونوں کا امیر جدا جدا ہو۔

**س: منصبِ قیادت پر براجمان رہنے کی حرص نے ملت کے انفرادی اور اجتماعی میں مزاج میں کیا بگاڑ پیدا کیے؟**

**ج:** منصبِ قیادت پر فائز رہنے کا شوق کوئی زیادہ برا نہیں اگر آدمی میں اس کی اہلیت بھی موجود



ہو اور اس کا مقصد بھی دین اور قوم کی خدمت ہو۔ ہاں، یہ اُس وقت برا ہو جاتا ہے جب بندہ اپنی قیادت کی خاطر جملہ ملتی مفادات کا بیڑہ غرق کر دے اور اجتماعی دھارے سے دور چلا جائے۔ لیکن چوں کہ قیام پاکستان سے اب تک اہل سنت کا اجتماعی دھارا سرے سے وجود میں آیا ہی نہیں، لہذا جو بھی اپنی اپنی جگہ قیادت کر رہا ہے اُس پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں، جب آپ اجتماعیت پیدا کر لیں گے تو پھر جو شخص اجتماعیت کو انفرادیت پر قربان کرے گا وہ ظالم انسان ہوگا اور اُس کا محاسبہ ہم سب کا فرض ہوگا۔

باقی یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ قیادت نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اہل سنت کے مزاج میں جو بگاڑ پیدا ہو چکا ہے وہ ناگفتہ بہ ہے۔ چند حلقوں کو چھوڑ کر اہل سنت کا تو اب مزاج ہی غیر تنظیمی بن چکا ہے، تنظیمی سوچ کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں، وہ بغیر جدو ہے کے ایک ایسا ریوڑ بن چکے ہیں جسے جو بھی چاہے جہاں مرضی بانک کے لے جائے۔ اس کو درست کرنے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد اور ربط یا ہم کی ضرورت ہے۔ اس راہ میں بہت سی مزاحمتوں کا سامنا بھی ہوگا اور بہت سی قربانیاں بھی دینی پڑیں گی۔

**س: لیڈروں اور کارکنوں کی ناقدری کے نتائج و محاقب کیا ہوئے؟**

**ج:** اگرچہ لیڈروں اور کارکنوں کی ناقدری کے نتائج و عواقب نہایت بھیانک ہوتے ہیں، مگر علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں کے علیحدہ علیحدہ لیڈر اور علیحدہ علیحدہ کارکن جن میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہے کہ سب کے سب ہمارے لیڈر کو ہی اپنا لیڈر مانیں یا ہمارے کارکن کو ہی کارکن تسلیم کریں تو یہ کیسے ممکن ہے۔ جمہوریت نے نوع انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ لہذا جمہوریت ترک کر کے ایک منظم مرکزی پلیٹ فارم تشکیل دیجیے اور پھر لیڈروں اور کارکنوں کی قدر کیجیے۔

ویسے اگر علیحدہ علیحدہ تنظیموں کا جائزہ لیں تو وہ تنظیمیں جن میں کارکنوں کو دھکے دیے گئے اور قدر ناشناسی کی گئی اُن جماعتوں کا بھٹ بیٹھ گیا، آج اُن جماعتوں کے نام تو باقی رہ گئے ہیں مگر کام زیرو ہو چکا ہے۔ جہاں تک لیڈروں کی ناقدری کی بات ہے تو ہماری رائے یہ ہے کہ لیڈر کی شخصیت ایسی ہونی چاہیے کہ لوگ خود بہ خود اُس کی قدر کریں، اگر لوگوں کے دلوں میں اُس کی قدر ہی نہیں ہے تو پھر وہ کوئی اور چیز تو ہو سکتا ہے لیڈر ہرگز نہیں۔ یہ لفظ اُس کے شایان شان نہیں ہے۔

**س: تنظیمی اور تحریر کی شعبوں میں ہماری کارکردگی کیا ہے؟ اور کتنی موثر ہے؟**

**ج:** تنظیمی و تحریر کی شعبوں میں ہم کافی پیچھے ہیں، کیوں کہ ہم کسی بھی قسم کا نظم قبول کرنے کو تیار



نہیں، بد نظمی گویا ہماری کھٹی میں پڑی ہوئی ہے، نہ ہماری سوچ تنظیمی ہے، نہ ہمارا طریقہ کار تنظیمی، اور نہ ہی ہم اس کو پسند کرتے ہیں، خاص طور پر علماء و مشائخ کا ایک بڑا طبقہ تو تنظیم کش ذہنیت کا حامل ہے، کوئی بھی تنظیم ہو یہ اس سے بے گانہ اور لا تعلق رہتا ہے، نظم کا حصہ بننا یہ اپنی کسر شان سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی بھی سنی تنظیمات ہیں ان میں علماء و مشائخ کا وجود آپ کو آٹے میں نمک برابر یا اس سے بھی کم نظر آئے گا، اس کے باعث یہ لوگ تنظیموں کو اپنے مزاج کے خلاف سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ بد نظمی کے خوگر ہوتے ہیں۔ بے شمار تنظیمات انہی لوگوں کی وجہ سے شکست و ریخت کا شکار ہو چکی ہیں۔

آج سنیوں میں صرف کتنی کی دو چار تنظیمات ہی ایسی رہ گئی ہیں جن میں نظم کا کچھ اچھا تاثر پایا جاتا ہے، مگر ان کے ناموں میں بھی ”اہل سنت“ کا لفظ شامل نہیں ہے۔ ہمیں ایک مرتبہ پھر ساری سنت کو اہل سنت کے نام پر منظم کرنا ہوگا۔

س: تنظیمی ٹوٹ پھوٹ، مفاداتی گروہ بندیاں اور ذاتی رنجشوں کو ہماری زوال پذیری میں کتنا دخل ہے؟

ج: ہماری تنظیمی ٹوٹ پھوٹ تو خیر ساری دنیا کے سامنے ہے۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے علماء و مشائخ نے اہل سنت کے تنظیمی نیٹ ورک کا جس طرح ستیاناس اور اہل سنت کے تشخص کو بے نام و نشان کیا ہے اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

مفاداتی گروہ بندیوں میں پیری مریدی کی گروہ بندیاں سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ نعت خوانوں اور مولانا صاحبان نے بھی کافی مفاداتی گروہ بنا رکھے ہیں۔ یہ لوگ جوڑ توڑ اور ساز باز کر کے اپنی ویلیو بناتے اور اپنے مفادات حاصل کرتے رہتے ہیں، مگر ان لوگوں کی وجہ سے اہل سنت کے اجتماعی مفادات صفر ہو کے رہ گئے ہیں۔

ذاتی رنجشیں دراصل تزکیہ نفس نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، ورنہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، بہت سے راہ بر کھلانے والے لوگ معمولی معمولی باتوں پر دوسروں سے رنجش رکھتے ہیں اور علمی مسائل پر ایک دوسرے کے خلاف طوفان کھڑے کر دیتے ہیں، جب تک تزکیہ نفس نہیں ہوتا تب تک معاملات بہتر نہیں ہو سکتے۔

تنظیمی ٹوٹ پھوٹ، مفاداتی گروہ بندیاں اور ذاتی رنجشوں کو مرکزی قیادت کے فقدان کے بعد ہمارے زوال میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کو ختم کیے بغیر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔



س: کچھ حلقوں کی دین بیز اور خمیر فروشی پالیسیوں نے اسلام اور اہل سنت کو کیا دیا؟

ج: دین بیزاری اور خمیر فروشی کا الزام کسی خاص حلقے پر نہیں؛ اجتماعی طور پر جملہ اہل سنت پہ آتا ہے، کیوں کہ اجتماعی طور پر ہماری دین سے دوری سب کے سامنے ہے اور خمیر فروشی بھی ایک حد تک ہمارے اجتماعی خمیر کا حصہ بن چکی ہے، جب آپ کا کوئی مرکز اور کوئی نظم نہیں ہوگا تو دین سے بیزاری بھی پیدا ہوگی اور ایسے لوگ بھی نکل آئیں گے جو خمیر فروشی کریں گے اور آپ کو بیچ کھائیں گے۔ اجتماعییت پیدا کریں اور کڑے احتساب کا سلسلہ شروع کریں سب لوگ ٹھیک ہو جائیں گے، ورنہ ہر بندہ اپنے ذاتی مفادات حاصل کر کے لوگوں میں یہی اعلان کرتا پھرے گا کہ میں نے اہل سنت کے لیے وہ کچھ کیا ہے جو کائنات میں کسی نے نہیں کیا۔

س: تکفیری کلچر میں اسلام کتنا عرصہ رہا ہے؟

ج: تکفیری کلچر بھی ہمارے قومی مزاج کا حصہ ہے، دیگر تمام مسالک کی طرح ہمارے مسلک کے لوگ بھی علمی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی، پیر کرم شاہ الازہری، علامہ اشرف سیالوی، آخوند زادہ سیف الرحمن مبارک، مولانا غلام رسول سعیدی، ڈاکٹر ابو الخیر محمد زبیر، مولانا الیاس قادری، ڈاکٹر طاہر القادری اور انڈیا سے مصباحی ویدائیونی حضرات اور ”جام نور“ کا حلقہ احباب وغیرہم؛ ان میں سے کون سا فرد بیچ گیا ہے جس پر کفر و گمراہی کے فتاویٰ جاری نہ کیے گئے ہوں۔ اگر اپنے مسلک سے باہر نکل کر جھانکیں تو وہاں پر بھی کفر کی مشین گنیں ہر جگہ فٹ نظر آتی ہیں۔ یدخلون فی دین اللہ افواجاً کی بجائے یخروجون من دین اللہ افواجاً کا عمل زور و شور سے جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کا صرف نام باقی ہے، عملی اسلام کا بستر بوریا تو کب کا گول ہو چکا ہے۔

س: شعوری ارتقا اور فروغ علم کیا جاہل و اعظمین اور بے عمل مقررین کا کچھ بگاڑ سکے گا؟

ج: جاہل و اعظمین اور بے عمل مقررین کو عروج ملا ہی اس لیے ہے کہ ہمارے اندر ارتقاے شعور اور فروغ علم کا کلچر اس سطح تک نہیں پہنچ پایا جو ایک باشعور قوم کا ہوتا ہے، ورنہ جب علم و شعور کا کانور پھیلتا ہے تو جہالت کے اندھیروں کو فرار ہونا ہی پڑتا ہے۔

یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ کاروباری قسم کے مقررین نے تمام تر اہل سنت کا مزاج ہی بگاڑ کے رکھ دیا ہے، انھیں سنجیدہ، باوقار اور علم و تحقیق کا دل دادہ بنانے کے بجائے سُرور،



طرزوں، دھنوں، دوہڑوں، لطیفوں، چٹکوں اور شور شرابے کا عادی بنا دیا ہے اور یہ بات دین و مسلک کے لیے خوف ناک حد تک ضرور رساں ہے۔

اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بڑے بڑے دینی مدارس جو کہ علم و تحقیق کے مراکز سمجھے جاتے ہیں ان کے سالانہ جلسوں میں بھی یہی کاروباری مقررین اچھلتے کودتے اور جوکری کرتے نظر آتے ہیں، جب کہ محقق اور مفکر قسم کے علما کو ایسے سٹیجوں پر کوئی پذیرائی نصیب نہیں ہوتی۔ اہل سنت کا اجتماعی فرض ہے کہ وہ ایسے واعظوں اور خطیبوں کی شدید حوصلہ شکنی کریں، مستند علمائے کرام کو اپنی محافل میں بلائیں اور ان سے مختص موضوعات پر علمی و تحقیقی گفت گو سننے کی عادت اپنائیں، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے بہت سے مشہور و مستند علما بھی مخصوص عنوانات پر ہی انحصار کرتے ہیں اور اصلاح معاشرہ پر گفت گو کرنے کے بہ جگہ فقط فضائل کے عنوانات کو ہی موضوع سخن بناتے ہیں، اگر کوئی زیادہ ہی بڑا محقق خطیب ہے تو وہ صرف اختلافی موضوعات پر ہی بولنے کو اپنے لیے سرمایہ حیات سمجھتا ہے، حالاں کہ بے شمار اور لاتعداد موضوعات ایسے ہیں جن کی طرف علمائے کرام کو توجہ دینے کی شدید ترین ضرورت ہے۔

لیکن الحمد للہ! اب تھوڑا بہت ہمارا شعوری ارتقا شروع ہو چکا ہے، اس لیے امید ہے کہ بہت جلد جاہل واعظین اور بے عمل مقررین اپنی موت آپ مر جائیں گے، جیسا کہ حال ہی میں اہل سنت نے مل کر کاروباری نعت خوانی کا تعاقب کیا تو اس انڈسٹری کو زوردار قسم کا دھچکا لگا۔ اسی طرح اگر مل کر جاہل واعظین کا پیچھا کیا جائے تو بہت جلد ان سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔

اگر جاہل واعظین کے بہ جگہ علم و فکر رکھنے والے علما کو اجتماعی نظم کا پابند کر کے آگے لایا جائے اور انھیں سیاسی تربیت دے دی جائے اور وہ اپنے ہر خطاب میں کچھ وقت نظام مصطفیٰ کی خوبیوں کے حق میں بولیں تو بہت جلد نظام مصطفیٰ کا سورج طلوع ہو سکتا ہے، لوگ باقی سب نظاموں کو ترک کر کے نفاذ نظام مصطفیٰ کی جدوجہد کے لیے دیوانہ وارا ٹھہ کھڑے ہوں گے۔

**س: تحقیق سے دوری اور میڈیا تک نارسائی ہمیں کس طرف دھکیل رہی ہے؟**

**ج:** تحقیق سے دوری ایک خطرناک مرض ہے، گزشتہ ادوار میں اہل سنت کی اس سے دوری نے انھیں اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے جس کا رونا اس سارے مضمون میں رویا گیا ہے۔ تحقیق سے دوری کی وجہ سے پڑھا لکھا طبقہ ہم سے دور ہو گیا ہے، لوگ ہمیں چھوڑ کر ان گم راہ طبقات کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں جو اپنے افکار و نظریات کو فروغ دینے کے لیے شب و روز تحقیق کے میدان



میں مصروف عمل ہیں، لیکن اب الحمد للہ اہل سنت نے بھی تحقیق کے میدان میں قدم رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے بہار کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ یہ تحقیق سے دوری ہی کا نتیجہ ہے کہ میڈیا بھی ہماری دست رس سے دور ہو گیا ہے۔ اہل سنت کی نمائندگی کے لیے تو نعت خوانوں کو بلا لیا جاتا ہے اور دیگر مسالک کی نمائندگی کے لیے ان کے سکالرز کو دعوت دی جاتی ہے۔

**س: مدارس میں شعوری پستی اور فرسودہ نظام کا ذمہ دار کون؟**

**ج:** راقم الحروف کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے مدارس میں شعوری پستی اور فرسودہ نظام کا ذمہ دار مروجہ نصاب درسی نظامی ہی ہے، کیوں کہ اس نصاب سے جو رویے تشکیل پاتے ہیں وہ معاشرتی تقاضوں سے بالکل ہٹ کر ہیں، اس نصاب میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جسے پڑھنے کے بعد طالب علم کو اسلامی ریاست کے حوالے سے کامل شناسائی حاصل ہو جائے، البتہ منطق و فلسفہ وغیرہ کی فضولیات کا خوب خوب چرچا ہے جو طالب علم کو معاشرتی لحاظ سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔

ایک ایسا دقیق، مشکل، پیچیدہ، بے مقصد، ناقابل فہم اور معاشرتی بہاؤ سے 95% لاتعلق نصاب تعلیم کہ دنیا کے کسی بھی ادنیٰ عقل رکھنے والے طبقہ کو اگر یہ نصاب اپنے ہاں رائج کرنے کی پیش کش کی جائے تو وہ چند ضروری چیزوں کو چھوڑ کر اس سارے نصاب کو مسترد کر دے گا۔ یہ نصاب مخصوص رکاوٹوں، غیر ضروری کتابوں اور معاشرتی علوم سے جالی ہونے کی بنا پر قرآن و سنت اور فقہ و سیرت جیسے (قومی و بین الاقوامی مسائل حل کرنے والے) عظیم تر علوم کے ارد گرد رہبانیت کا ایسا خصار قائم کر دیتا ہے کہ ان کی افادیت معطل ہو کے رہ جاتی ہے۔

اس وقت برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عالم اسلام کی کسی بھی ریاست میں یہ نصاب اس حالت میں رائج نہیں ہے، اس نصاب سے راہب قسم کے علماء فارغ التحصیل ہو کر دنیا کے سامنے آ رہے ہیں، معاشرے کے رواں شعبوں (سیاست، معیشت، قانون، دفاع، انتظامیہ وغیرہ) تک ان کی رسائی مشکل ترین امر ہے، سوائے امامت، خطابت اور تدریس کے انھیں کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ سب اہل علم جانتے ہیں کہ اس طرح کی رہبانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب ریاست کے بنیادی شعبوں تک علماء کی علمی و عملی رسائی ممکن ہی نہیں (اور مقابلہ مغربی تعلیم و تہذیب کے خوف ناک جنات سے ہے) تو انھیں ”تمکن فی الارض“ کی نعمت کیسے حاصل ہوگی اور وہ معاشرتی مسائل کو کیسے حل کریں گے؟ اس نصاب تعلیم کے علم برداروں کو ہمارا چیلنج ہے



کہ وہ ہمیں کوئی ایک ایسا شخص دکھادیں جس نے اپنی ساری زندگی میں انگریزی، ریاضی اور دیگر عصری علوم کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو مگر وہ معاشرے میں ولایت عامہ کے کسی کلیدی عہدے پر فائز ہو کر اپنے فرائض منصبی احسن طریقے سے انجام دے رہا ہو۔ موجودہ نصاب ساز رویوں اور دینی مدارس کے کارپردازوں کے لیے اقبال کا یہ شعر سو فی صد حقیقت پر مبنی ہے۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے اسے کیا جانیں یہ بے چارے دور کثرت کے امام  
س: ہمارا کتنا سرمایہ جائز مصارف میں خرچ ہو رہا ہے اور اس کے غلط استعمال نے ہمیں کس جگہ  
لاکڑا کیا؟

ج: ہمارا ۹۰ فی صد سرمایہ ناجائز اور دس فی صد سرمایہ جائز مصارف میں خرچ ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ دیگر مکاتب کے پاس سرمایہ ہم سے زیادہ ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان کے ہاں سرمایہ کا مصرف درست ہے مگر ہمارے مصارف بالکل بے مقصد اور بے فائدہ قسم کے ہیں۔ پاکستان میں جتنی محافل اہل سنت کی ہوتی ہیں اتنی کسی بھی دوسرے مکتب فکر کی نہیں ہوتیں۔ مثلاً قل خوانیاں، اعراس، محافل نعت، میلاد شریف، معراج شریف، گیارہویں شریف، جشن قرآن، لیلۃ القدر، شب براءت، ایام خلفائے راشدین، یوم شہادت امام حسین وغیرہ وغیرہ۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماعات ان پر مستزاد ہیں۔ ان محفلوں پر بلا مبالغہ کروڑوں اربوں کا خرچہ ہوتا ہے۔ آج ہماری محفلیں تو عروج پر ہیں مگر ان سے مقصدیت کلیتاً ختم ہو چکی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی محافل کو با مقصد اور با وقار بنانے کی کوشش کریں، بے مقصد محافل کا تو بند کر دینا ہی بہتر ہے۔ علاوہ ازیں ہمارا کثیر سرمایہ بیروں، گدی نشینوں، نعت خوانوں، خطیبوں اور مزارات کے چندوں کی صورت میں محکمہ اوقاف کے قبضہ میں ہے، جس کا اہل سنت کو کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارے مدارس کے طلباء و طالبات تو نان جوئیں کو ترس رہے ہیں مگر ان لوگوں کے بچے گلی میں ہیں۔

الختصر، علمی، فکری اور شعوری سرگرمیوں پر جتنا سرمایہ خرچ ہونا چاہیے اس کا عشر عشر بھی نہیں ہو رہا اور اگر یہی ڈگر رہی تو ایک خوف ناک تباہی ہمارے سامنے منہ کھولے کھڑی ہے، جسے روکنا کسی مادی طاقت کے بس میں نہیں۔

س: خانقاہوں پر قابض سجادگان اور موروثی جاہلین قوم کے مادی اور روحانی جمود میں تحریک پیدا کر سکتے ہیں؟

ج: ہماری سوچی سمجھی رائے کے مطابق خانقاہوں کا موجودہ نظام ہی سرے سے غلط ہے۔



قابض سجادگان اور موروثی جانشین کبھی بھی کوئی تحریک پیدا نہیں کر سکتے، بھلا وہ لوگ جو بہ ذاتِ خود جمود کا سبب ہیں وہ کیسے دوسروں کو حرکت میں لا سکتے ہیں۔ ہاں، اگر ان سجادوں کا تختہ الٹ دیا جائے تو پھر قوم کی حرکت میں بھی کوئی تاخیر نہ ہوگی۔

پیری مریدی کا جو نظام ہمارے معاشرہ میں چل رہا ہے اگر اُس کا دیانت داری سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس نظام میں شامل ننانوے فی صد پیروں کا ملک و ملت کوننا نوے فی صد نقصان ہو رہا ہے اور ایک فی صد پیروں کا صرف ایک فی صد فائدہ ہو رہا ہے۔

مفسر شہیر محمد شاکر علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ پیروں کے آستانے ہیں، خانقاہیں ہیں، جن کے گلوں میں سادہ دل لوگ اپنی جبین خالی کر آتے ہیں، زیب سجادہ فلاں و فلاں بزرگ ہیں جن میں سے بعض تقدس مآب مشائخ کی تو شکلیں بھی غیر شرعی ہیں، جن کے دن مریدوں سے نذرانے وصول کرنے اور راتیں عیاشیوں میں گزرتی ہیں، جو تعویذ گنڈوں کے کاروبار سے غریبا کو لوٹتے ہیں، جو علم سے قلاش اور عمل سے مفلس ہیں، جن کی زبان میں فرشتوں کی پاکیزگی اور قلب میں ابلیس کی روسیاء ہی ہے، جن کی گفتار رشک جبرائیل اور کردار ننگ انسانیت ہے، کوئی گھوڑے شاہ ہے جس کے مزار پر گھوڑوں کے بت چڑھائے جاتے ہیں، کوئی کتوں والی سرکار ہے جہاں کتوں کو تقدس حاصل ہے، کوئی بلی والی سرکار ہے، کوئی کیا ہے اور کوئی کیا ہے، وہ جن کے مرید فاقہ کش ہیں اور پیر لاکھوں کے کتے خرید کر ہزاروں کی شرط پر لڑاتے ہیں، کسی کو کتے خریدنے کا شوق ہے، کوئی باز خریدنے کا رسیا ہے، کوئی سور کے شکار کے شوقین ہیں، کوئی کاروں کی خریداری میں بازی لے جانا چاہتا ہے اور یہ تمام شوق مریدین کے جیب خالی کرنے سے پورے ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ توحید کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ کیا ان نمائشی اور نام نہاد پیروں کو دیکھ کر لوگ اصلی صلحا اور اولیاء اللہ سے بدگمانی کے خطرے میں مبتلا نہیں ہوں گے۔“

(معاشرے کے ناسور، ص: ۳-۱۲، مطبوعہ: فرید بک سٹال، لاہور)

س: حرمات پر غیر شرعی حرکات کے ارتکاب سے دنیا میں کیسے اسلام اور شریعت کی شناخت ہو رہی ہے؟  
ج: آج مزارات پر جو کچھ ہو رہا ہے اُس کی وجہ سے سنی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے، ان



بے ہودہ اور غیر شرعی حرکات کی وجہ سے جس اسلام اور سنت کی دنیا میں شناخت ہو رہی ہے وہ نہایت شرمناک ہے۔

آج کل ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مزارات مقدسہ پر جس طرح کے ایمان سوز میلے ٹھیلے منعقد کیے جاتے ہیں اور ان میں ہمہ قسم کی دھماچو کڑی مچائی جاتی ہے، علمائے اہل سنت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے میلوں پر جانے سے سختی کے ساتھ روکیں۔ یہ میلے ٹھیلے جہاں ”مزارات“ کی سخت بے حرمتی کا سبب ہیں وہاں ان سے ”اہل سنت“ کی بھی شدید بدنامی ہو رہی ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ہمارے علماء و فقہاء اور خطباء و مقررین کے قلم اور زبانیں اس سلسلے میں اپنا ”اجتماعی کردار“ ادا کرنے سے کیوں عاجز آ گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عرس کی محفل منعقد کرنا شرعی طور پر ایک جائز کام ہے، جس سے بہت سے دینی مصالح اور شرعی فوائد وابستہ ہیں، لیکن عرسوں کی آڑ میں فواحش و منکرات کا بازار گرم کرنا، جو اٹھیلنا، شراب پینا، سرکشی منعقد کرنا، خسروں کا ناچنا، کتے اور ریچھ لڑانا، نیم عریاں ملکی وغیرہ کی عورتوں کا رقص کرنا، کان پھاڑنے والی آوازوں کے ساتھ سارے شہر میں گانوں کا گونجنا، بدکاری و حرام کاری کی دعوتوں کا عام ہونا، کیا یہ بھی کوئی عرس کا حصہ ہیں؟ یا پھر عرس کے دنوں میں یہ گندے اور غلیظ کام جائز ہو جاتے ہیں؟ — حقیقت یہ ہے کہ آج مزارات کے زیر سایہ ان تمام بدکاریوں کو دینی جواز فراہم کر دیا گیا ہے اور جاہل لوگ ان خبیث کاموں کو کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ میلے ٹھیلے جرائم کی آماج گاہ بن چکے ہیں۔ غنڈے، لوفر، بد معاش، چور، اچکے، زانی، قاتل، ڈاکو، لوطی، مراٹھی، جواری، شرابی، غرض کہ دنیا بھر کے ذلیل ترین اور ننگ انسانیت لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں اور ان مقامات مقدسہ پر ہر وہ بدترین کام ڈنکے کی چوٹ پر ہوتا ہے جس سے انسانیت منہ چھپائے پھرتی ہے اور اسلام کا سر عام جنازہ اٹھ رہا ہوتا ہے۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان

ان میلوں ٹھیلوں کا نہ تو کوئی دینی و شرعی جواز ہے اور نہ ہی قانونی و اخلاقی، یہ چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے ہزاروں میلے ظلم ہی ظلم اور جرم ہی جرم ہیں، ان سے رُکنا اور روکنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ خاص طور پر یہ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں، ان اسلام کش اور دین دشمن میلوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں اور اپنی تمام تر علمی و عملی توانائیوں کے ساتھ انھیں رُکوا کر ہی دم لیں۔ اگر علمائے کرام نے اجتماعی طور پر اپنا



یہ فرض ادا نہ کیا تو پھر وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو غلط کام کو دیکھے اور اس سے نہ روکے تو وہ گونگا شیطان ہے۔ ہمارے بہت سے خطباء و مقررین جو علم و عمل سے کورے ہوتے ہیں اور فقط سرگرمی بنا پر عوام میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیتے ہیں، میلوں ٹھیلوں کے اس جرم میں وہ بھی برابر کے شریک ہیں، کیوں کہ وہی ان میلوں پہ جا کر تقریریں کرتے ہیں اور عوام کی صحیح تربیت کرنے کے بہ جاے انھیں لطیفے چٹکتے سناتے رہتے ہیں۔

**س: مخالف فرقوں کا میٹ ورک ہماری نسبت کیا واقعی مضبوط ہے؟ یا محض پراپیگنڈے کا اثر ہے؟**

**ج:** وقتاً فوقتاً اپنی انفرادی یا اجتماعی کارکردگی کا دوسرے طبقات سے موازنہ کرتے رہنا چاہیے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اپنی انفرادی یا اجتماعی کارکردگی ہمارے سامنے آئے گی، نیز اپنے اندر پائی جانے والی کوتاہیوں اور خامیوں کو دور کرنے کا موقع ملے گا، باہم دو جماعتوں یا طبقات میں موازنہ کرنے میں کوئی عار نہیں، بل کہ یہ متحرک اور معتدل بننے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ فنڈنگ خواہ جہاں سے ہو پس منظر میں ایجنسیاں ہوں یا غیر ملکی طاقتیں، دیگر مسالک اقلیت میں ہونے کے باوجود علم و فکر، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ و تقریر میں زیادہ مضبوط ہیں اور ہم اکثریت میں ہونے کے باوجود کم زور ہیں۔

ان کے ہاں جس طرح کے امور کو اہمیت حاصل ہے وہ ایک نظر ملاحظہ ہوں: بڑے بڑے مدارس، طاقت ور تنظیمات، تحفظ ختم نبوت، جہادی کلچر، اپنے بچوں کو دینی مدارس میں پڑھانا، حفظ و قراءت، درس نظامی، اہم عنوانات پر کانفرنسیں، متنوع موضوعات پر تصانیف، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، تبلیغ کا نظام، قرآن وحدیث کے دروس، نظام خلافت، حکومت الہیہ اور نفاذ اسلام کے نعرے، پابندی صوم و صلوٰۃ، متشرع چہرے وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ تمام امور آپ کو دیگر طبقات میں خوب خوب نظر آئیں گے، ان کے یہ کام عند اللہ کس حد تک مقبول ہیں اور کس حد تک مردود؟ ان کے لیے وہ فنڈز کہاں سے لیتے ہیں اور کہاں سے نہیں؟ نیز ان کاموں کے پس پردہ اصل مقاصد کیا ہیں؟ اس وقت یہ امور زیر بحث نہیں، بل کہ سوچنا یہ ہے کہ جس سمت میں وہ قدم آگے بڑھا رہے ہیں اُس کی وجہ سے وہ طاقت ور ہو رہے ہیں اور جس سمت میں ہم قدم آگے بڑھا رہے ہیں اُس کی وجہ سے ہم کم زور ہو رہے ہیں۔

اسی سے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ آج ہم اکثریت (۷۷ فی صد) ہونے کے باوجود زوال پذیر کیوں ہیں اور دوسرے لوگ واضح اقلیت ہونے کے باوجود آگے کیوں بڑھ رہے ہیں؟



## اتحاد اہل سنت کا لائحہ عمل

اتحاد اہل سنت ایک ایسا خواب ہے جو ایک طویل زمانے سے ہر سنی مسلمان مسلسل دیکھتا چلا آ رہا ہے، مگر یہ خواب شرمندہ تعبیر کب ہوتا ہے اس کا دور دور تک پتہ نہیں۔ (اتحاد نہ ہونے کے اصل عوامل کیا ہیں یہ ایک علیحدہ بحث ہے) اتحاد اہل سنت اگرچہ ناممکن نہیں، مگر موجودہ حالات کے تناظر میں ناممکن کے قریب نظر آتا ہے، لیکن پھر بھی مایوسی گناہ ہے اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے سوچنا، اس کے لیے جدوجہد کرنا اور اس کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنا ہر سنی کا بنیادی فریضہ ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ انہیں گھٹا ٹوپ اندھیروں سے روشنی کی کرن پھوٹے گی اور آفتاب بن کر چمکے گی ان شاء اللہ۔

ہم نے جب اس موضوع پر غور و خوض، تفکر و تدبر اور باہمی مشاورت کی تو کافی حوصلہ افزا تجاویز سامنے آئیں، ان پر گفت گو سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ لہذا اگر ہم اتحاد چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس کے لیے کچھ کھونا بھی پڑے گا، سب سے پہلے اہل سنت کو انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی اور اس احساس کمتری سے باہر نکلتا ہوگا کہ فلاں فلاں انتخابی سیاسی جماعت کا لیڈر بڑا طاقت ور ہے، ہم اس کے بغیر نہیں چل سکتے۔ متحد ہو کر سب کو بتادیں کہ اہل سنت ہی سب سے بڑے لیڈر اور اہل سنت ہی سب سے بڑی طاقت ہیں۔ ہمارے سیاسی بیوپاریوں نے چند لکوں کے عوض اہل سنت کا سب کچھ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی وغیرہ میں تحلیل کر دیا ہے اور اب وہ دامن جھاڑ کر فارغ بیٹھے ہیں، نہ ان کے پاس بیچنے کے لیے کوئی سودا ہے اور نہ ہی خریدنے کے لیے کوئی گاہک۔

اس بدترین نظام کی اس سے بڑھ کر خرابی کیا ہوگی کہ اس میں ہمارے مسلک کے بڑے بڑے جید علماء اور اتقیا کو زرداری اور نواز شریف کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں اٹھانا پڑتا ہے۔ دیگر مسالک کے لوگ اپنی اپنی شناخت اور اپنے اپنے لیڈر کا جھنڈا اٹھا کر میدانِ انتخاب میں اترتے



ہیں، مگر اہل سنت کے علماء و اتقیا اپنی شناخت اور لیڈر شپ کو فنا کر کے میدانِ انتخاب میں اترتے ہیں۔ کیا یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں؟ یہ علحدہ بات ہے کہ بالآخر دوسرے مسالک کے لوگوں کو بھی اپنی دو چار سیٹوں کے ساتھ انہی بڑی سیاسی جماعتوں کی گود میں بیٹھنا پڑتا ہے، مگر وہ اس سے اپنے بہت سے مفادات حاصل کرتے ہیں۔

ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر ہم نے مروجہ نظامِ انتخاب کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھا اور اپنی شناخت قائم کر بھی لی تب بھی ہمیں دس پندرہ سیٹوں سے زیادہ کچھ نہیں حاصل ہونے والا۔ بتایا جائے کہ کیا اتنی سیٹوں کے ساتھ ملک میں نظامِ مصطفیٰ نافذ ہو جائے گا؟

اللہ تعالیٰ نے سوادِ اعظمِ اہل سنت کو اس باطلِ جمہوری نظام میں فیل ہی اس لیے کیا ہے تاکہ یہ اہل حق اس اسلام دشمن نظام میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے پیغمبرانہ جدوجہد کر کے انقلاب کی راہ اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل و شعور اور حکمت و بصیرت عطا فرمائے۔ حالات بھی جوں کے توں رہیں اور اتحاد بھی وجود میں آجائے یہ ناممکن ہے۔

دوسرے نمبر پر ہمیں اپنی اپنی تنظیموں اور جماعتوں کو بھی ایک مرکز کا پابند کرنا پڑے گا۔ یہ سوچ کہ ہم یا ہماری تنظیم ہی سب کچھ ہے، ہم اپنی پالیسیوں میں کسی مرکزیت کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتے، ہمیں اس سوچ سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا اور اپنی اپنی تنظیمات میں اتنی گنجائش بہ ہر حال رکھنی پڑے گی کہ مرکز کے اجتماعی آرڈر کو اپنے تمام لوگوں کے لیے لازمی قرار دینا ہوگا۔ اگر ہم اس کے لیے تیار نہیں تو پھر اتحاد کی باتوں کو اٹھا کر جہنم میں جھونک دیجیے۔ جب کوئی بھی تنظیم مرکز کو **Follow** کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر خود بتائیے کہ اتحاد کیسے ممکن ہے!! ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے اتحاد کے لیے مؤثر شخصیات اور مؤثر تنظیمات کے سربراہان کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے۔ یہ بورڈ اتحادِ اہل سنت کے لیے اپنے ابتدائی کام کا آغاز کرے۔ یہ بورڈ تشکیل دینے کے لیے دردمند سنی حضرات بار بار اتحاد کی آواز بلند کریں اور مرکزی سطح کے سنی راہنماؤں کو جھنجھوڑے، کیوں کہ جب مرکزی راہنماؤں سے بار بار اتحاد کا مطالبہ کیا جائے گا تو وہ پریشر میں آکر اس معاملے پر سوچنے پہ مجبور ہو جائیں گے اور اگر وہ پھر بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتے تو ان پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا اور وہ یکہ و تنہا رہ جائیں گے۔ جو بھی شخص اتحاد کی آواز سب سے پہلے بلند کرے گا وہی قوم کا ہیرو ہوگا، لیکن یہاں یہ بات



ذہن میں رہے کہ اتحاد اہل سنت کے لیے وہ شخص قطعاً مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا جو کسی جمہوری انتخابی پارٹی سے وابستہ ہو، کیوں کہ مروجہ انتخابی نظام اتحاد کی ضد ہے، جس کا نتیجہ صرف افتراق ہے، اتحاد کا تو یہاں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی ایم این اے یا ایم پی اے وغیرہ بھی اس کے لیے غیر مؤثر ہے، کیوں کہ ایم این اے یا ایم پی اے وغیرہ اگر اس کے لیے کوشش کریں گے تو لوگوں کے ذہنوں میں یہی آئے گا کہ وہ حکومت کی ایما پر یا مسلم لیگ، پیپلز پارٹی وغیرہ کو طاقت ور بنانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ اتحاد کے لیے صرف وہی بندہ مؤثر ہوگا جس کی وفاداریاں غیر مشکوک ہوں۔

۲- عوامی دباؤ کے نتیجہ میں جب مؤثر شخصیات اتحاد اہل سنت کے لیے آمادہ ہو جائیں تو انہیں سب سے پہلے کوشش کر کے باہم ایک اجلاس منعقد کرنا چاہیے اور اس میں اتحاد کے لیے مشاورت کرنی چاہیے۔ ان حضرات کو باقاعدہ شیڈول کے تحت ملک بھر کے دورے کر کے اتحاد اہل سنت کا نفرنیس کرنی چاہیں اور لوگوں کو مرکزیت کی پابندی، اجتماعیت کے فوائد اور اتحاد کے فارمولے سے آگاہ کرنا چاہیے۔

۳- اتحاد کے لیے سب سے اہم بات ”نقطہ اتحاد“ ہے یعنی وہ بنیاد جس کے لیے تمام اہل سنت کو متحد کرنے کی ضرورت ہے۔ عقائد و معمولات اہل سنت پر اتحاد کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ ان پر ویسے ہی سب کا اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک نقطہ اتحاد صرف اور صرف ملک بھر میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہے، اگر اس کے لیے اتحاد کی دعوت دی جائے گی تو وہ ساری قوم کے دل کی آواز ہوگی۔ اس کے علاوہ جس نقطہ پر بھی اتحاد کیا جائے گا، وہ ناپایہ دار ہوگا اور کچھ ہی عرصہ بعد شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گا۔

۴- یہ بھی ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ مروجہ نظام انتخاب کی خاطر اتحاد کی ہر کوشش ناکامی کا شکار ہوگی، خواہ اس کا مقصد نظام مصطفیٰ ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ مروجہ جمہوری نظام قطعی طور پر تفریق پر مبنی ہے۔ جمہوری نظام اور پایہ دار اتحاد بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام جمہوری نظام کی بنیاد ہے پایہ دار اتحاد کا قائل ہے۔ ہم پورے چینج کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ انتخابی نظام کے لیے اتحاد کی کوشش بالکل فضول ہے۔ اگر ایسا کوئی پایہ دار اتحاد قائم ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے نظام مصطفیٰ بھی آجاتا ہے تو ہم عام بیعت کا اعلان کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جمہوری نظام سے مکمل کنارہ کشی کر کے پیغمبرانہ انقلابی جدوجہد کا راستہ



اپنا نامزدوری ہے اور اس جدوجہد کا آغاز اتحاد اہل سنت سے کرنا چاہیے۔ اگر آپ اتحاد کی جنت سے انتخاب کی ناپاکی کو دور کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر اتحاد کے صرف سہانے خواب دیکھتے رہیے اور اس کی خوش نمائشیں کرتے رہیے، اتحاد کا ایک پتا بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا۔

۵- مرکزی سطح پر اتحاد کے بعد ضروری ہے کہ ایک ایسا ادارہ تشکیل دیا جائے جس میں ملک بھر کی تمام تنظیمات، مدارس، مساجد اور پیر خانوں کو رجسٹرڈ کیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ جو بھی اپنے آپ کو رجسٹرڈ نہیں کروائے گا وہ اہل سنت کے اجتماعی تنظیمی نیٹ ورک سے خارج سمجھا جائے گا۔

۶- ایک ایسے دستور العمل کی تشکیل بھی اشد ضروری ہے جس میں اہم قواعد و ضوابط اور ضروری ہدایات درج ہوں جن کی پابندی مرکز سے لے کر نیچے تک جملہ تنظیمات، مدارس، مساجد اور پیر خانوں کے لیے ضروری ہو۔

۷- مرکزی اتحاد کو چاہیے کہ کم و بیش پچاس افراد پر مشتمل ایک مرکزی مجلس شوریٰ کی تشکیل کا انتظام کرے، جس کا طریقہ کار کچھ اس طرح سے ہونا چاہیے کہ ابتدائی طور پر مخصوص کوالیفیکیشن (مثلاً شہادۃ العالمیہ وغیرہ) رکھنے والے حضرات کے لیے ایک مخصوص نصاب مقرر کر کے اس کا میٹ لیا جائے، پھر ماہرین کا ایک بورڈ ان کا انٹرویو لے، اس کے بعد خفیہ طور پر ان کے متعلق اچھی طرح چھان بین کرائی جائے، بعد ازاں انہیں مخصوص تنظیمی و تربیتی مراحل سے گزارا جائے اور پھر ان میں سے کامیاب ترین افراد کی ایک مرکزی مجلس شوریٰ بنائی جائے۔ اس مجلس کے اراکین کو مکمل طور پر اہل سنت کی خدمات کے لیے وقف کر دیا جائے۔

۸- اب مرکزی سطح کی چند اہم شخصیات اور مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس بلایا جائے اور ایک غیر جانب دار کمیٹی بنا کر سب سے اہم ترین کام یعنی ملک بھر کے جملہ اہل سنت کا امیر مقرر کیا جائے۔ قیادت ایسے ہاتھوں میں دینا ضروری ہے جو تنظیمی سوچ کی مالک ہو، بل کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے سے ایک مربوط تنظیمی نیٹ ورک چلا رہی ہو۔

۹- امیر کے تقرر سے پہلے تمام شرکاء اجلاس سے حلف لیا جائے کہ جو بھی شخص امیر مقرر ہو گا وہ اور ان کے تمام متعلقین اس کی بیعت، اطاعت اور دستور العمل کے پابند ہوں گے۔



۱۰- امیر کے تقرر کا طریقہ کار کچھ یوں ہونا چاہیے کہ مشاورت کے بعد دو چار اہم نام سامنے لائے جائیں (خواہ وہ مجلس شوریٰ سے ہوں یا اہم شخصیات میں سے)، اب جن لوگوں کا نام سامنے لایا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی دست بردار ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے، پھر جو نام سامنے آئے ہیں ان پر ہاؤس کو کچھ وقت کے لیے باہمی ڈسکشن کا موقع دیا جائے، پھر سب کو ایک ایک پرچی تھما دی جائے جس میں ہر بندہ رازداری کے ساتھ اس کینیڈیٹ کا نام لکھے جس کو وہ بہتر سمجھتا ہے، جس شخص کو اکثریت حاصل ہو اس کو اہل سنت کا امیر مقرر کر دیا جائے۔ تمام شرکا حلف کی پاسداری کرتے ہوئے اس امیر کی بیعت کر لیں۔

۱۱- اگر یہ امیر بننے والا شخص پہلے سے کسی تنظیم کا امیر ہے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی سابقہ تنظیم سے استعفیٰ دے کر اس کے معاملات کسی اور اہل شخص کے سپرد کر دے۔ امیر سے حلف لیا جائے کہ وہ دستور العمل کا پابند رہے گا، غیر جانب دار رہے گا اور مجلس شوریٰ کی مشاورت سے جملہ اہل سنت کے مفادات کے لیے کام کرے گا اور نفاذ نظام مصطفیٰ کی انقلابی جدوجہد کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بہ روئے کار لائے گا۔

۱۲- اب ملک بھر کی رجسٹرڈ تنظیمات، پیر خانوں اور مساجد و مدارس کے سربراہان سے امیر کی بیعت لی جائے، تمام رجسٹرڈ لوگ اپنے اپنے متعلقین سے امیر کی بیعت لیں، اگر اس حوالے سے ملک بھر میں اجتماعی دورے کر لیے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

۱۳- امیر تاحیات ہوگا۔ دائرہ شریعت میں دیا گیا امیر کا ہر حکم ہر سنی کے لیے واجب العمل ہوگا، ہر تنظیم مدرسہ اور پیر خانہ امیر کے احکام کا پابند ہوگا۔ مرکزی مجلس شوریٰ بھی ہر لحاظ سے امیر کی معاون اور اس کے احکام کی پابند ہوگی۔ اگر معروف صورتوں کے مطابق اس پر امارت کے لیے نااہل ہونے کا الزام ہو تو شوریٰ دستور کے مطابق دو تہائی اکثریت کے ساتھ امیر کو معزول کرنے کے لیے با اختیار ہوگی۔

۱۴- جملہ رجسٹرڈ تنظیمات وغیرہ جو بھی مثبت کام کر رہی ہیں انہیں اپنا کام جاری رکھنے کی اجازت ہوگی۔ صرف اتنی بات ضروری ہوگی کہ وہ کوئی بھی پالیسی مرکز کے مفاد کے خلاف نہیں بنائیں گی اور اپنی ہر پالیسی کی مرکز سے منظوری لیں گی تاکہ کہیں بھی اہل سنت میں ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔

۱۵- مرکز کے لیے ایک فنڈ (بیت المال) بھی مقرر کیا جائے، جس میں پاکستان اور دنیا بھر کے



مخیر سنیوں کو عطیات جمع کرانے کی ترغیب دی جائے۔ علاوہ ازیں عام سنیوں سے باقاعدہ ماہانہ فنڈ کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے تاکہ مرکز کے جملہ اخراجات پورے کیے جاسکیں۔ مجلس شوریٰ کے ضروری اخراجات بھی اسی فنڈ سے پورے کیے جائیں۔

۱۶- اس اتحاد کا ایک نام بھی تجویز کیا جائے، مثلاً اس کا نام اہل سنت و جماعت بھی رکھا جاسکتا ہے، اور یہی بہتر نام ہے، کیوں کہ اس نام کو تقریباً تقریباً ہم سے چھین لیا گیا ہے۔

۱۷- یہ اتحاد دیگر مسالک، مکاتب فکر اور جملہ طبقات کے ساتھ رواداری کا معاملہ رکھے اور ان کے ساتھ اسی طرح کے معاہدات کرے جس طرح میثاق مدینہ یا خلفائے راشدین کے معاہدات تھے، جن میں باہمی رواداری اور ایک دوسرے کے حقوق کو تحفظ حاصل ہو۔

۱۸- امیر کو چاہیے کہ وہ مشاورت کر کے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی انقلابی جدوجہد کے لیے مناسب وقت پر تمام اہل سنت کو کال دے اور ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی راہیں ہموار کرے۔

۱۹- مشاورت کے ساتھ مرکزی سیکرٹریٹ اور ہر علاقہ میں اہل سنت کے لیے باقاعدہ مراکز اور دفاتر قائم کیے جائیں جہاں سے اہل سنت کے جملہ امور کی نگرانی اور جملہ مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

۲۰- اسی طرح علما کا ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو اہل سنت کے مابین علمی و فکری اختلافات کا مناسب حل پیش کرے۔ اس بورڈ میں اہم تنظیمات کے سکالرز کو بھی شامل کیا جائے، تاکہ باہمی اختلافات افتراق کا باعث نہ بن جائیں۔

۲۱- اس اتحاد کے لیے یہ بھی ضروری ہونا چاہیے کہ یہ قطعی طور پر غیر انتخابی ہو اور کسی بھی ایسی تنظیم کو اس اتحاد کا ممبر نہ بنایا جائے جو مروجہ غیر شرعی انتخابی نظام کے ساتھ وابستہ ہو، کیوں کہ اتحاد اور انتخابی سیاست دو متضاد چیزیں ہیں، ان کے مابین بعد المشرقین ہے۔

اہل سنت اگر اتحاد چاہتے ہیں تو انتخاب کی بات ترک کر دیں اور اگر انتخاب چاہتے ہیں تو اتحاد کی بات ترک کر دیں۔ مرکز سے ملحقہ کوئی بھی تنظیم اگر انتخابات کی طرف جائے تو اس کی رکنیت خارج کر دی جائے۔ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے انتخابی راستہ ترک کر کے انقلابی راستہ اپنایا جائے۔ ستر فی صد اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ باقی تمام طبقات کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ایک پرامن، باشعور طاقتور انقلاب پکارتے ہوئے ملک میں نظام مصطفیٰ لائے۔



## دارالاسلام علمی منشور فکری دستور

- اکابر اسلام کی غم گشتہ علمی و فنی تراش کی بازیافت اور اس کی نشر و اشاعت نو
- دینی و عصری دانش گاہوں میں لکھے جانے والے تحقیقی مقالات کو شائع کرنا
- متون عقائد اسلامی اور مصادر شریعت پر تحقیق ترجمہ اور عالمی معیار پر ان کی طباعت
- اردو زبان کے ارتقا اور اسلامی ادب کے فروغ میں صوفیہ و علمائے تخلیقات کو زندہ کرنا
- عصری مسائل کی آزادانہ تحقیقات کرنا نیز دور حاضر میں ان کا قابل عمل حل تلاش کرنا
- قرآن و سنت کی تعلیمات کو دعوت و تبلیغ کے جدید تقاضوں کے مطابق عالم گیر بنانا
- امت سے بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنا اور ترجیحات کا قبضہ درست کرنا
- اقوام عالم کے سامنے دین اسلام و مذہب اہل سنت کی معتدل تعبیر و تشریح پیش کرنا
- مسلم اُمم کی فکری تطہیر اور شیرازہ بندی کے لیے تربیتی نصاب تفصیل دینا
- اسلام کے خلاف مسیڈ یا بیخار کامیڈ یا اور قلم کی طاقت سے جواب دینا
- تہذیبی کش مکش کے درپردہ دہائی طاقتوں کی اسلام دشمن پالیسیوں کو بے نقاب کرنا
- جدید عالمی نظاموں کی پس پائی اور اسلامی نظام کی معجزہ نمائندگیات دنیا پر آشکار کرنا
- مستشرقین کی اسلام مخالف تحقیقات کو حقائق کی میزان میں پرکھنا
- نظام خلافت کا علم بلند کرنا اور اس کے نفاذ کے لیے قومی و عالمی سطح پر شعور بیدار کرنا
- پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے قلم و آواز اٹھانا اور افرادی قوت پیدا کرنا
- نظریہ پاکستان کا تحفظ کرنا اور اس کے نئے و پرانے مخالفین کا پردہ فاش کرنا
- جہاد کے تقدس پر پھر دینا اور فتنہ خوارج کی سیاہ کاریاں عیاں و بیاں کرنا
- نظریاتی تخریب کاری، غیر علمی مزاج اور فکری تنگم و تشدد کے مقابل مستحکم محاذ تیار کرنا
- پاکستانی اہل قلم کی بیرون ملک اور غیر ملکی مصنفین کی نگارشات وطن عزیز میں طبع کرنا
- نئے قلم کاروں اور اشاعتی اداروں کی فکری تربیت اور علمی سرپرستی کرنا
- محققین و ناشرین کے مابین روابط کے فروغ کے لیے مرکز فراہم کرنا

جامع مسجد محمدیہ مولانا روجی، اندرون بھائی گیٹ، لاہور، پنجاب - پاکستان  
0321-9425765 darulislam21@yahoo.com  
www.facebook.com/darulislam دارالاسلام

دارالاسلام